تفسیر ماتریدی

یا

تاویلات اہل السنہ

(۱۰)

محمد صغیر حسن معصومی

چونکہ سجدہ عبادت ''مسجود لہ،، (جس کو سجدہ کیا جاتا ہے) کی عبادت قرار دیا گیا ہے، اور برے لوگوں کے عرف میں یہ سجدہ ان کی عظیم ہستیوں کی نیز اللہ کے ما سوا دوسرے معبودوں کی عبادت سمجھا جاتا ہے اس لئے یہی مفہوم دلوں میں متبادل ہوتا ہے، اور چونکہ اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ جائز نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ کے ما سوا کے لئے سجدہ ممنوع قرار پایا۔ در حقیقت خود سجدہ کسی مسجود کے لئے عبادت نہیں ہوسکتا، جیسا کہ بعض ایسی اشیاء سے ممانعت کی جاتی ہے جن میں کہا جاتا ہے کہ وحشت و بربریت ہے حالانکہ کوئی چیز حقیقت میں وحشت کی حامل نہیں ہوتی۔ امر اول یعنی سجدے کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح اللہ تعالی کے سوا معبودوں کو سب و شتم کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اللہ تعالی کو، نعوذ باللہ سب و شتم لعن کرنے لگیں، اسی طرح بعض ایسے امور کا حکم دیا جاتا ہے جو خود بنفس نفیس عبادت و قربت نہیں، مگر ان کے ذریعہ قربت و عبادت کا اظہار کیا جاتا ہے، مثلاً حج و جمعہ کے لئے سعی کرنا اور دوسری تیاریاں وغیرہ۔

مسئلہ زیر بحث سے یہ ظاہر ہے کہ سنت (فعل و عمل رسول) کتاب کو

منسوخ کرتی ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم قرآن پاک میں مذکور ہے، اسی طرح یوسف علیہ السلام کے لئے سجدہ کا ذکر قرآن میں ہے بعد میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سجدہ سے منع فرمایا، اور غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام قرار پایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنت کتاب کو منسوخ کرتی ہے۔

و قول الملائکة : "سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم"، پاک و مقدس ہے تیری ذات : اے اللہ ! ہمیں تو صرف الہی باتوں کا علم ہے جن کو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تو ہی علم والا ہے حکمت والا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں کچھ ایسی آرزوئیں پیدا ہوئیں یا ایسے عمل کا خیال آیا جن کا تعلق اللہ سے ہے، جن کے متعلق اللہ تعالی کے حکم کی حکمت ان کی سمجھ سے باہر تھی، یا تو اس لئے کہ ان کا علم ان فرشتوں کو نہ پہنچاتھا، یا ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تعالی انہیں کیسے حکم دے سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ان اشیاء کو نہیں جانتے، یا ان کے دل میں یہ خیال ہے غیر تحقیق و تثبیت کے بطور ابتلا و آزمائش کے آیا۔ اور نیکوکار بندے ایسی آزمائش میں مبتلا کئے جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: " وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى۔" "آپ سے پہلے کسی رسول اور کسی نبی کو (لوگوں کی طرف) نہیں بھیجا مگر جب انھوں نے خود آرزو کی۔ (سورة الحج : ۵۲)

یا ان کے دل میں یہ بات اس طرح گذری جیسا کہ آزمائش میں مبتلا بندے ایسے افکار سے خالی نہیں ہوتے جن کے (اثر سے) محنت و برداشت کرنے کی (ان میں) قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ بندے) ایسے مجاہدے کرنے لگتے ہیں جن سے ان آزمائشوں کا دفع ممکن ہوتا ہے، حالانکہ دل میں ان باتوں کا

حال تھے، یہ ان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

چنانچہ ان فرشتوں نے کہا: سُبحانَكَ، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کے وسوسوں اور اپنے اوہام سے بالکل منزہ گردانا۔

انھوں نے یہ وصف بھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ صاحب علم ہے اور اس سے کوئی چیز مستور و مخفی نہیں۔

"حکیم" یعنی حکمت والا ہے، کسی شے میں کوئی غلطی نہیں کرتا۔ اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اللہ کی توفیق سے برائی سے بچنا اور عصمت برقرار رکھنا ممکن ہے۔

پس آیت سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے، کہ علم کے بغیر کسی شے کے بارے میں بولنا ممنوع ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ایسی بات کہنے سے جزع و فزع کرے جس کا علم نہ ہو، یہ ہر اس شخص کا لازمی حق ہے جو اللہ کی معرفت رکھتا ہے۔

اسی بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے: "ولا تقف ما لیس لك به علم"، اور جس بات کا علم نہ ہو آپ اس کی خبر نہ دیجئے۔ (سورۃ الاسراء : ۳۶)۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ(۱) سے سوال کیا گیا کہ ارجاء کی ابتداء

---

(۱) فقیہ اہل عراق، ابو حنیفہ النعمان بن ثابت، امام، عابد، ورع و سخاوت میں ممتاز اور ذکاء میں فائق تھے، سنہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عطاء بن ابی رباح اور ان کے طبقے سے روایت کی ہے، حماد بن ابی سلیمان سے فقہ سیکھی، ریاست کے تحفے اور عطیے قبول نہیں کرتے تھے، اور اپنی روزی کمانے والوں کی غمخواری کرتے تھے، وہ خود خرچ کرتے تھے انھوں نے ایک بڑا گھر بنا لیا تھا جس میں ریشمی کپڑے تیار کرواتے اور بہت سے کاریگر [illegible] امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کی اولاد ہیں"۔ [illegible] امام ابو حنیفہ [illegible] رجب [illegible] (دیکھئے [illegible] ۔ وفیات الاعیان ۔ تاریخ بغداد [illegible]

کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: ملائکہ کا فعل کہ جب کسی ایسی بات کے متعلق ان سے پوچھا جاتا جس کا علم انھیں نہ تھا تو اللہ تعالی کے سپرد کر دیا کرتے۔

ارجاء کے دو معنی ھیں:

ایک مفہوم قابل ستائش ہے یعنی کبیرہ گناہ کے مرتکب کا یہ امید رکھنا کہ اللہ تعالی ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے، انھیں نہ دوزخ میں ڈالے گا نہ جنت میں، (ممکن ہے کہ کوئی نیک فیصلہ ان کے حق میں کرے) یہ عقیدہ اللہ تعالی کے قول ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء،، (النساء: ۴۸) بے شک اللہ تعالی اس امر کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھرایا جائے، اور اس سے کم گناہ کو بخش دے گا جسے چاہے گا) پر مبنی ہے۔

دوسرا مفہوم جبر ہے جو قابل مذمت ہے، یعنی یہ عقیدہ کہ سارے افعال اللہ تعالی کی طرف سے ھیں اور بندے کا اس کے اپنے افعال میں کوئی اختیار نہیں اور نہ اس کی کسی تدبیر کو دخل ہے۔

اس مفہوم کے پیش نظر روایت آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صنفان من امتی لا ینالھم شفاعتی، القدریة والمرجئة،، میری امت میں دو قسم کے لوگ ھیں جن کو میری شفاعت نہ پہنچے گی، قدریہ اور مرجئہ(۱)۔

قدریہ(۲) وہ لوگ ھیں جو مخلوق کے فعل میں اللہ تعالی کو صاحب

---

(۱) اس حدیث کو جسے زرقانی نے حضرت انس رض سے مرفوعاً روایت کیا ہے، شوکانی کہتے ھیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کے راویوں میں مامون بن احمد سلمی اور اس کا شیخ عبداللہ مالک سعدی ھیں جو آفت ھیں۔ دیکھئے شوکانی: الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص ۴۰۲ طبع السنة المحمدیة سنہ ۱۹۶۰ع)۔

(۲) صحابہ کرام کے آخری دور میں قدر و استطاعت کے بارے میں بحثیں شروع ھوئیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے قدر کے متعلق گفتگو کی وہ بصرہ کا معبد بن خالد الجہنی تھا۔ ابو حاتم اس کے بارے میں فرماتے ھیں: ''مدینہ آیا اور وھاں کچھ لوگوں کو اپنا ھم خیال بنا لیا (اقیہ حاشیہ)

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

قدیر نہیں سمجھتے، اور نہ کسی بندے کے فعل پر ان کے نزدیک اللہ تعالی کو مقدر کرنے کی قدرت ہے۔

مرجئۃ (۱) وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی فرمانبرداری یا نافرمانی جو کچھ اس کی طرف منسوب ہے اس میں یقیناً اس کا کوئی فعل نہیں۔

غرض قدریہ اور معتزلہ دونوں کے لئے شفاعت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش) باطل ہے، اور ان دونوں گروہوں کے درمیانی عقیدہ کو صحیح مذہب سمجھا جاتا ہے، جس کے رو سے یہ ثابت ہے کہ بندہ کا کام عمل (یعنی کرنا) ہے اور اللہ تعالی کا کام مقدر کرنا، بندہ خیر یا شر کی طرف حرکت کرتا ہے اور اللہ تعالی حرکت کے مطابق فعل پیدا کرتا ہے۔

محمد بن شعیب امام اوزاعی کے حوالے سے کہتے ہیں: ”قدر کے متعلق گفتگو کرنے والا پہلا شخص۔ عراق کا ایک آدمی سوسن نامی تھا جو نصرانی تھا مسلمان ہوا اور پھر نصرانی بن گیا اس سے معبد جہنی نے اور معبد سے غیلان نے اور ان دونوں سے جعد بن درہم نے یہ فاسد خیال اپنا یا۔

کہا جاتا ہے سب سے پہلے اسی معبد نے ”خلق قرآن“ کے متعلق گفتگو کی۔ متاخرین صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، ابن عباس، انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفی اور عقبۃ بن عامر جہنی اور ان کے معاصرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان لوگوں سے برات کا اظہار کیا۔

معتزلہ کو ”قدریہ معتزلہ“ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سے مرجئہ کے ایک گروہ کو مرجئہ قدریہ“ کہتے ہیں۔ دیکھئے العبر ۱/۹۲ تہذیب التہذیب ۱۰/۲۲۵ الملل و النحل ۱/۴۰، لسان المیزان ۴/۴۲۳ اور الفرق بین الفرق ص ۱۹)۔

(۱) مرجئہ تین طرح کے لوگ ہیں:

ایک گروہ وہ ہے جو ایمان میں امید کا قائل ہے، اور قدریہ معتزلہ کے مذاہب کے مطابق قدر یعنی اللہ تعالی کے حکم کا قائل ہے، غیلان دمشقی، ابو شمر اور محمد بن شبیب البصری اسی گروہ سے تھے۔

دوسرا گروہ ایمان میں امید کا قائل ہے اور اعمال میں جبر کا، جیسا کہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے اور یہ جہمیہ میں سے ہے۔

تیسرا گروہ جبریہ اور قدریہ دونوں سے خارج ہے: اس گروہ کے پانچ فرقے ہیں: یونسیہ، غسانیہ، ثوبانیہ، تومنیہ اور مریسیہ۔ یہ سب مرجئہ اس لئے کہلاتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان کے بعد عمل کے قائل نہیں، ارجاء بمعنی تاخیر کے ہے، غرض جب کسی کام میں تاخیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں ارجیۃ یا ارجاتہ، دیکھئے التبصیر ص ۵۹، الملل والنحل ۱/۱۳۹، مقالات الاسلامیین ۱/۱۹۷ اور الفرق بین الفرق، ص ۲۰۲۔

عقلی طور پر یہ مذہب طریقہ عدل و حق ہے اور زیادتی و کمی کے مابین ہے، اسی طرح کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے: خیر الامور اوساطها (۱) یعنی بہترین امر درمیانی امر ہے۔“

اور اسی طرح اللہ تعالی کا قول ہے: ”و کذلك جعلناکم امة وسطا“ (البقرہ : ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم سبھوں کو درمیانی امت بنایا، اور جو بندوں کو جو کچھ قوت حاصل ہے اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔

ابن جریج(۲) سے روایت ہے، فرمایا: ملائکہ کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا صرف اشارہ کرنا تھا، کسی کے آگے زمین پر چہرہ رکھنا حلال نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، فرشتوں کا سجدہ کرنا سجدۂ تحیہ تھا، سجدۂ عبادت نہیں، قتادہ(۳) سے روایت ہے، کہا کہ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری اور آدم علیہ السلام کی [illegible] سجدہ ان کے [illegible] اکرام و تعظیم کے لئے تھا، واللہ اعلم۔

ابلیس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف [illegible]

---

(۱) اس حدیث کو شوکانی نے احادیث موضوعہ میں بیان کیا ہے، بیہقی نے بطور معضل روایت کیا ہے، معضل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اسناد سے دو یا زیادہ راوی ساقط ہوں، (دیکھئے الفوائد المجموعة ص ۲۵۰، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی ۱/۲۱۱)۔

(۲) ابن جریج جیم کے پیش رے کے زبر اور یے کے سکون اور پھر دوسری جیم کے ساتھ ان کی کنیت ابو خالد اور ابو الولید ہے، نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج، بواسطہ ولاء قرشی تھے، امیہ بن خالد بن اسید کے آزاد کردہ (مولی) تھے۔ کہا جاتا ہے: کہ جریج ام حبیب بنت جبیر زوجہ [illegible] کہا جاتا ہے [illegible] سنہ اسی ہجری میں ہوئی، بغداد آئے ابو جعفر المنصور کے عہد میں، ایک سو انچاس ہجری میں وفات پائی [illegible] وفیات الاعیان [illegible]۔

(۳) قتادة بن دعامة بن قتادة بن عزیز ابو الخطاب السدوسی البصری، [illegible] امام احمد بن حنبل اللہ کے بارے [illegible] اہل بصرہ میں سب سے [illegible] قتادہ [illegible] حدیث کے علم [illegible] امام [illegible] الانساب کے [illegible] ہجری [illegible] (۲۰۲/۹)۔

بعض کا قول ہے(۱) ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔

دوسرے لوگ کہتے ہیں : ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، یہ قول حسن(۲) اور اصم(۳) کا ہے۔ انھوں نے چند وجوہ بیان کئے ہیں :

پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر قرآن پاک میں کیا ہے : ”لا یعصون اللہ ما أمرھم“ (التحریم : ۶) یہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو اللہ تعالی ان کو حکم دیتا ہے (وہ بجا لاتے ہیں) ”لا یسبقونہ بالقول“ (الأنبیاء : ۲۷) فرشتے اللہ سے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے۔ نیز ” لا یستکبرون عن عبادتہ و لا یستحسرون“ (الانبیاء : ۱۹) یعنی اللہ تعالی کی عبادت سے نہ بڑائی کرتے ہیں اور نہ عاجز آتے ہیں۔

غرض اللہ تعالی نے فرشتوں کے صفات بیان کئے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کے فرمانبردار ہیں، اور اللہ کے حکم کو بجالاتے ہیں، اگر ابلیس لعین و مردود فرشتوں میں سے ہوتا تو ضرور اللہ تعالی کی اطاعت کرتا جیسا کہ فرشتے اطاعت کرتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابلیس کا قول ہے : ”خلقتنی من نار و خلقتہ من طین“ (الاعراف : ۱۲) ”اے اللہ تونے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے“ اور فرشتے، ظاہر ہے، کہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

تیسری وجہ اللہ تعالی کا فرمان ہے : ”کان من الجن“ (الکھف : ۵۰)

---

(۱) ابن کثیر محمد بن اسحاق کے طریق سے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا : ابلیس معصیت کے ارتکاب سے پہلے ملائکہ میں سے تھا اس کا نام عزازیل تھا اور زمین کے باشندوں میں سے تھا ملائکہ میں سب سے زیادہ علم والا اور اجتہاد کرنے والا تھا اسی وجہ سے غرور و کبر کی طرف مائل ہوا، یہ ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو جن کہتے تھے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۷۔

(۲) یہ حسن بصری ہیں، ان کا حال گذر چکا ہے دیکھئے [illegible]

(۳) الاصم ابو بکر عبدالرحمن بن کیسان ہیں دیکھئے ہود کی تفسیر کے تحت۔

وہ جن میں سے تھا ، اللہ تعالی نے ''من الملائکۃ،، (فرشتوں میں سے) نہیں کہا، تو ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔

پھر (امام ماتریدی) اللہ تعالی کے قول ''فسجدوا الا ابلیس،، (تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کبھی مستثنی منہ کے سوا کا استثناء جائز ہوتا ہے ، (غرض استثناء اس بات کی دلیل نہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا، کیونکہ غیر کو مستثنی کر سکتے ہیں) جیسا کہ کہا جاتا ہے : اس گھر میں اہل کوفہ داخل ہوئے مگر ایک مرد اہل مدینہ میں سے (داخل نہیں ہوا) ایسا جملہ لغت عرب میں جائز ہے۔

استثناء (یعنی حرف الا کا استعمال) اس بات کی دلیل ہے کہ حکم در اصل سب کے لئے تھا، اور سجدہ کا حکم اللہ تعالی نے ابلیس اور سارے فرشتوں کو دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے : ''ثم افیضوا من حیث افاض الناس،، (البقرۃ : ۱۹۹) یعنی پھر تم لوگ جلد لوٹ جاؤ جہاں سے لوگ بعجلت لوٹ گئے، یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کے لئے ''افاضہ،، کا حکم تھا، اسی طرح اول (میں حکم سمجھنا چاہئے) ۔ واللہ اعلم ۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی قصے میں — حالانکہ ابلیس اور فرشتوں کا قصہ قرآن پاک میں نیز سابقہ کتابوں میں بار بار بیان کیا گیا ہے — یہ نہیں بیان کیا گیا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، اور نہ ان آیات سے جن کا ذکر کیا گیا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، کیونکہ مثلاً اللہ تعالی کا قول ہے : ''لایعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون،، (التحریم : ۶) یہ فرشتے اللہ تعالی کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجالاتے ہیں،، اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کے حکم سے رو گردانی کا وہم بھی پیدا ہو تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور خشوع

و الخضوع کی تعریف کے معنی جو جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے مدح و ستائش کے ساتھ ان کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے: ''و من یقل منھم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم'' (الانبیاء: ۲۹) یعنی ان فرشتوں میں سے اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم بھیج کر بدلہ لیں گے غرض فرشتے بھی طرح طرح کی تکلیفوں سے آزمائے جاتے ہیں، اور جس کو آزمایا جاتا ہے اس سے معصیت اور اس کے اپنے اوصاف کے خلاف دوسرے اوصاف سرزد ہو سکتے ہیں۔

البتہ اللہ تعالی کا یہ فرمانا کہ ''کان من الجن'' (الکھف: ٥٠) اس کا مفہوم ''صار من الجن'' یعنی ابلیس کا جن میں سے ہونا ظاہر ہو گیا، تو اس سلسلے میں حسب ذیل قول بیان کیا جاتا ہے:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں، جن سے مراد ملائکہ ہیں، ان کا جن اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں، ''جن'' کا لغوی مفہوم چھپنا ظاہر ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''و اذ انتم اجنة فی بطون امھاتکم'' (النجم: ۳۲) اور جب کہ تم سب اپنی ماؤں کے پیٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔

اب رہا یہ(۱) قول کہ ملائکہ کو اللہ تعالی نے نور سے اور ابلیس کو نار (آگ) سے پیدا کیا، تو دونوں کا مآل ایک ہی ہے کیونکہ اللہ بزرگ و

---

(۱) طبری نے اس قول کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ''ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا جس کو الجن کہتے ہیں، یہ فرشتوں کے درمیان نار سموم سے پیدا کئے گئے تھے۔

یہ بھی کہا: کہ اس (ابلیس) کا نام الحارث تھا اور جنت کے خازنوں میں سے ایک خازن تھا، یہ بھی فرمایا: سارے فرشتے اس قبیلہ کے سوا نور سے پیدا کئے گئے نیز کہا: اور جنوں کو جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔

قرطبی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی ہے، اور سعید بن جبیر کی طرف بھی، چنانچہ کہا کہ فرشتوں کا ایک گروہ جن ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس انہی میں سے ہے اور بقیہ سارے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا (دیکھئے تفسیر طبری ۱/۵۰۲ [illegible] نیز تفسیر قرطبی ۳/۲۰۱ طبع الشعب)۔

بوئز نے خبز دی ہے که الله تعالی نے اس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

کہا جاتا ہے که ''مارج،، آگ کا شعله ہے، ساتھ هی قرآن میں نه حدیث میں یه کہیں آیا ہے که فرشتے نور هی سے پیدا کئے گئے هیں، اور کسی دوسری چیز سے نہیں پیدا کئے گئے۔

اب رها اس بارے میں اختلاف که ابلیس نے کیوں الله کی نافرمانی کی؟ بعض کہتے که ابلیس نے اس وجه سے انکار کیا که الله کے حکم کی حکمت کو نہیں سمجھ سکا که الله تعالی نے کیوں ایک اعلی ذات کو حکم دیا که ایک ادنی ذات کو سجده کرے۔

بعض دوسرے یه کہتے هیں ابلیس نے جب دیکھا که الله تعالی نے ایک امر کو اس کی اپنی جگه میں نہیں رکھا تو اس کو جور و ظلم سمجھا، اس لئے الله تعالی کی نافرمانی کی۔

کچھ لوگ یه کہتے هیں که سجده بجالانے سے انکار کیا، بڑائی چاهی تو کافر قرار پایا، بعض یه کہتے هیں که نافرمانی کی اس لئے که اس نے مخلوق کو گمراه کرنے کا خیال دل میں چھپایا۔

یه بھی کہا جاتا ہے که الله کے حکم کی فرمانبرداری کا انکار کیا، آدم علیه السلام سے اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیه السلام پر فضیلت رکھنے کا دعوی کیا، چنانچه یه کہا : ''خلقتنی من نار و خلقته من طین،، (الاعراف : ۱۲) یعنی اے الله تونے مجھ کو آگ سے اور اس آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔